

اسلامی تحریکات کے لیے طریق کار

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

(یہ اُس تقریر کا ترجمہ ہے جو مفکر اسلام، صاحب تفہیم القرآن،

بانی جماعت اسلامی جناب مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے

16 ذی الحجہ 1382ھ (مئی 1963ء) کو مکہ کرمہ کی مسجد دہلوی

میں، حج پر آئے ہوئے عالم اسلام کے زعمائے کرام کے سامنے کی تھی)

خوش قسمتی سے آج مجھے موقع مل رہا ہے کہ مرکز اسلام میں حج کے عالم گیر اجتماع کے لیے دنیائے اسلام کے مختلف حصوں سے جو بندگان حق آئے ہوئے ہیں ان سے خطاب کروں اور ان کو یہ بتاؤں کہ اس زمانے میں مومنین صادقین اور خصوصاً نوجوان تعلیم یافتہ لوگوں کے کرنے کا اصل کام کیا ہے۔ میں اس قیمتی اور نادر موقع سے پورا فائدہ اٹھانا چاہتا ہوں اور یہ سمجھتے ہوئے کہ شاید ایسا موقع مجھے پھر نہ مل سکے گا اپنا دل کھول کر آپ کے سامنے رکھ دینا چاہتا ہوں، تاکہ آپ لوگ اس وقت کی حقیقی صورتحال کو اور اس کے واقعی اسباب کو ٹھیک ٹھیک سمجھ لیں اور اس کی اصلاح کے لیے حکمت اور جرأت کے ساتھ وہ تدبیر اختیار کریں جو میرے نزدیک موزوں ترین تدابیر ہیں۔

دنیاۓ اسلام کے دو حصے

سب سے پہلے یہ بات سمجھ لیجیے کہ دنیاۓ اسلام اس وقت دو بڑے حصوں میں بٹی ہوئی ہے۔ ایک حصہ وہ جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں اور سیاسی اقتدار غیر مسلموں کے ہاتھ میں ہے۔ دوسرا حصہ وہ جہاں غالب اکثریت مسلمانوں کی ہے اور سیاسی اقتدار بھی انہی کے ہاتھ میں ہے۔ ان دونوں حصوں میں سے فطری طور پر زیادہ اہمیت دوسرے حصے کو حاصل ہے اور ملت اسلامیہ کا مستقبل بڑی حد تک اس روش پر منحصر ہے جو آزاد مسلم ریاستیں اختیار کر رہی ہیں اور آگے اختیار کرنے والی ہیں۔ اگرچہ پہلا حصہ بھی کچھ کم وزن نہیں رکھتا۔ اپنی جگہ اس کو بھی بڑا اہم مقام حاصل ہے۔ کیونکہ کسی نظریہ حیات اور عقیدہ و مسلک کے پیروؤں کا دنیا کے ہر خطے اور ہر گوشے میں پہلے ہی سے موجود ہونا، اور قلیل تعداد میں نہیں بلکہ کروڑوں کی تعداد میں موجود ہونا، ان لوگوں کے لیے بڑی تقویت کا موجب ہو سکتا ہے جو اس نظریے اور عقیدہ و مسلک کی علم برداری کے لیے اٹھیں۔ لیکن

یہ ظاہر ہے کہ اگر وہ نظریہ اور عقیدہ و مسلک خود اپنے ہی گھر میں مغلوب ہو جائے تو روئے زمین پر پھیلے ہوئے اُس کہ یہ پیرو، جو پہلے ہی سے مغلوب ہیں، زیادہ دیر تک اپنے مقام پر ٹھہرے نہیں رہ سکتے۔ اس بنا پر یہ کہنا صحیح ہے کہ اس وقت بظاہر دنیائے اسلام کے مستقبل کا انحصار اُن مسلم ممالک ہی کے مستقبل پر ہے جو انڈونیشیا اور ملائیا سے لے کر مراکو اور نائیجیریا تک پھلے ہوئے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت کوئی اور کرشمہ دکھا دے جس کا ہم ظاہری اسباب کو دیکھتے ہوئے کوئی اندازہ نہ کر سکتے ہوں۔ وہ چاہے تو چٹانوں میں سے چشمے پھوڑ کر نکال سکتا ہے اور ریگستانوں کو اپنے ایک اشارے سے گلستانوں میں تبدیل کر سکتا ہے۔

آزاد مسلم ممالک کی حالت

اب اسی مفروضے پر کہ دنیائے اسلام کا مستقبل مسلم ممالک سے وابستہ ہے، ذرا اس امر کا جائزہ لیجئے کہ یہ ملک اس وقت کس حالت میں ہیں، اور جس حال میں یہ ہیں، اُس کے اسباب کیا ہیں۔ آپ لوگ یہ بات جانتے ہیں کہ ایک طویل مدت تک ذہنی جمود، عقلی انحطاط، اخلاقی زوال اور مادی اضمحلال میں مبتلا رہنے کے بعد آخر کار اکثر و بیشتر مسلمان ملک مغربی استعمار (colonialism) کے شکار ہوتے چلے گئے تھے۔ اٹھارہویں صدی مسیحی سے یہ عمل شروع ہوا تھا اور موجودہ صدی کے اوائل میں یہ اپنے انتہائی کمال کو پہنچ گیا تھا۔ اُس زمانے میں گنتی کے صرف دو چار مسلمان ممالک باقی رہ گئے تھے جو براہ راست مغربی مستعمرین (Colonialists) کی سیاسی غلامی میں مبتلا ہونے سے بچ گئے تھے۔ مگر پے در پے شکستیں کھا کھا کر اُن کا حال غلام ملکوں سے بھی بدتر ہو گیا اور اُن کی مرعوبیت اور دہشت زدگی اُن لوگوں سے بھی کچھ زیادہ بڑھ گئی جو اپنی سیاسی آزادی پوری طرح کھو بیٹھے تھے۔

مغربی استعمار کے ثمرات

مغربی استعمار (colonialism) کے اس غلبے کا سب سے زیادہ تباہ کن نتیجہ وہ تھا جو ہماری ذہنی شکست اور ہمارے اخلاقی بگاڑ کی شکل میں رونما ہوا۔ اگر یہ مستعمرین (Colonialists) ہمیں لوٹ کر بالکل غارت کر دیتے اور قتل عام کر کے ہماری نسلوں کو مٹا دیتے تب بھی یہ اتنا بڑا ظلم نہ ہوتا جتنا بڑا ظلم انہوں نے اپنی تعلیم اور اپنی تہذیب و ثقافت اور اپنے اخلاقی مفاسد پھیلا کر ہم پر ڈھایا ہے۔ جن جن مسلمان ملکوں پر ان کا تسلط ہوا وہاں ان سب کی مشترک پالیسی یہ رہی کہ ہمارے آزاد نظام تعلیم کو ختم کر دیں، یا اگر وہ پوری طرح ختم نہ ہو سکے تو اس سے فارغ ہو کر نکلنے والوں کے لیے حیات اجتماعی میں کوئی مصرف باقی نہ رہنے دیں۔ اسی طرح یہ بھی ان کی پالیسی کا ایک لازمی جز رہا کہ مفتوح قوموں کی اپنی زبان کو ذریعہ تعلیم اور سرکاری زبان کی حیثیت سے باقی نہ رہنے دیں اور ان کی جگہ فاتحین کی زبانوں کو ذریعہ تعلیم بھی بنائیں اور سرکاری زبان بھی قرار دیں۔

مشرق سے مغرب تک تمام مغربی فاتحین نے بالاتفاق یہی عمل تمام مسلم ممالک میں کیا، خواہ وہ ڈچ ہوں یا انگریز یا فرانسیسی یا اطالوی یا کوئی اور۔ اس طریقے سے ان مستعمرین (Colonialists) نے ہمارے ہاں ایک ایسی نسل تیار کر دی جو ایک طرف تو اسلام اور اس کی تعلیمات سے ناواقف، اُس کے عقیدے اور مسلک سے بیگانہ، اور اُس کی تاریخ اور روایات سے نابلد تھی، اور دوسری طرف اُس کا ذہن اور انداز فکر اور زاویہ نظر مغربی سانچے میں ڈھل چکا تھا۔ پھر اس نسل کے بعد پے در پے دوسری نسلیں ایسی اُٹھتی چلی گئیں جو اسلام سے اور زیادہ دور اور مغربی فلسفہ حیات اور تہذیب و تمدن میں زیادہ سے زیادہ غرق ہو چکی تھیں۔ ان کے لیے اپنی زبان میں بات کرنا موجب ننگ و

عار اور فاتحین کی زبان میں بات کرنا موجب افتخار بن گیا۔ مغربی فاتح نصرانیت کے لیے خواہ کتنے ہی متعصب ہوں، ان فرنگیت مآب غلاموں کو مسلمان ہونے پر شرم آنے لگی اور اسلام کے خلاف بغاوت کا یہ فخر یہ اظہار کرنے لگے۔ مغربی فاتح اپنی فرسودہ اور بوسیدہ قومی روایات کا کتنا ہی احترام کرتے ہوں، یہ غلام لوگ اپنی روایات کی تحقیر کرنا ہی اپنے لیے ذریعہ عزت سمجھنے لگے۔ مغربی فاتحین نے مدت العمر مسلمان ملکوں میں رہنے کے باوجود کبھی مسلمانوں کے لباس اور طرز زندگی اختیار نہ کیے، مگر یہ غلام لوگ اپنے ہی ملکوں میں رہتے ہوئے ان فاتحین کے لباس، ان کے رہن سہن کے طریقے، ان کے کھانے پینے کے ڈھنگ، ان کی ثقافت کے اطوار، حتیٰ کہ ان کی حرکات و سکنات کی نقل اتارنے لگے اور اپنی قوم کی ہر چیز ان کی نگاہوں میں حقیر ٹھہری۔ پھر مغربی فاتحین کی تقلید میں ان لوگوں نے مادہ پرستی، الحاد، عصبیت جاہلیہ، قوم پرستی، اخلاقی بے قیدی اور فسق و فجور کا پورا زہرا اپنے اندر جذب کر لیا۔ اور ان کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی کہ جو کچھ مغرب کی طرف سے آتا ہے وہ سراسر حق ہے، اُسے اختیار کرنا ہی ترقی پسندی ہے اور اُس سے منہ موڑنے کے معنی رجعت پسندی کے سوا کچھ نہیں ہے۔

مغربی مستعمرین (Colonialists) کی مستقل پالیسی یہ تھی کہ جو لوگ اس رنگ میں جتنے زیادہ رنگ جائیں اور اسلام کے اثرات سے جس قدر زیادہ عاری ہوں، ان کو زندگی کے ہر شعبے میں اتنا ہی زیادہ بلند مرتبہ دیا جائے۔ اس پالیسی کا نتیجہ یہ ہوا، اور اُس کا لازمی نتیجہ یہی ہونا چاہیے تھا کہ سلطنتوں میں اونچے اونچے عہدے انہی کو ملے۔ مستعمرین (Colonialists) کی فوجی اور سول ملازمتوں میں یہی کلیدی مناصب پر پہنچے۔ سیاست میں انہی کو اہم حیثیت حاصل ہوئی۔ سیاسی تحریکوں کی یہی لیڈر بنے۔ پارلیمنٹوں میں یہی نمائندے بن کر پہنچے اور مسلمان ملکوں کی معاشی

زندگی پر بھی یہی چھا گئے۔

اس کے بعد جب مسلمان ملکوں میں آزادی کی تحریکیں اٹھنا شروع ہوئیں تو ناگزیر تھا کہ ان تحریکوں کی قیادت بھی یہی لوگ کریں، کیونکہ یہی حکمرانوں کی زبان میں بات کر سکتے تھے، یہی اُن کے مزاج کو سمجھتے تھے، اور یہی اُن سے قریب تر تھے۔ اسی طرح جب یہ ممالک آزاد ہونے شروع ہوئے تو آزادی کے بعد اقتدار بھی اُنہی کے ہاتھوں میں منتقل ہوا اور مستعمرین

(Colonialists) کی خلافت اُنہی کو نصیب ہوئی، کیونکہ مستعمرین (Colonialists) کے ماتحت سیاسی نفوذ و اثر بھی اُنہی کو حاصل تھا، سول حکومت کا نظم و نسق یہی چلا رہے تھے اور فوجوں میں بھی قیادت کے مناصب پر یہی فائز تھے۔

عالم اسلام :- بنیادی حقائق

استعمار (colonialism) کے آغاز سے لے کر اُس کے اختتام اور آزادی کی ابتدا تک کی اس تاریخ کے چند نمایاں پہلو ایسے ہیں جنہیں نگاہ میں رکھنا ضروری ہے، کیونکہ انہیں نظر انداز کر کے اس وقت کی پوری صورتحال کو ٹھیک ٹھیک نہیں سمجھا جاسکتا۔

اسلام سے انحراف کی کوشش

اول یہ کہ مغربی مستعمرین (Colonialists) اپنی پوری مدت استعمار (Colonialism) میں کسی جگہ بھی اس بات پر قادر نہیں ہو سکے کہ عام مسلمانوں کو اسلام سے منحرف کر سکیں۔ انہوں نے جہالت ضرور پھیلانی اور عوام کے اخلاق بھی بہت کچھ بگاڑے، اور اسلامی قوانین کی جگہ اپنے قوانین رائج کر کے مسلمانوں کو غیر مسلمانہ زندگی بسر کرنے کا خوگر بھی بنا دیا، لیکن اُس کے باوجود دنیا کی کوئی مسلمان قوم بھی من حیث القوم اُن کے زیر اثر رہ کر اسلام سے باغی نہ ہو سکی۔ آج دنیا کے ہر

ملک میں عام لوگ اسلام کے ویسے ہی معتقد ہیں جیسے تھے۔ وہ چاہے اسلام کو جانتے نہ ہوں، مگر اُسے مانتے ہیں اور اُس کے ساتھ گہرا عشق رکھتے ہیں اور اُس کے سوا کسی اور چیز پر راضی نہیں ہیں۔ اُن کے اخلاق بری طرح بگڑ چکے ہیں اور اُن کی عادتیں بہت خراب ہو چکی ہیں لیکن اُن کی قدریں نہیں بدلیں اور اُن کے معیار جوں کے توں قائم ہیں۔ وہ سود اور زنا اور شراب نوشی میں مبتلا ہو سکتے ہیں اور ہور ہے ہیں، مگر چھوٹی سی فرنگیت زدہ اقلیت کو چھوڑ کر عام مسلمانوں میں آپ کو ایسا کوئی شخص نہ ملے گا جو ان چیزوں کو حرام نہ مانتا ہو۔ وہ رقص و سرود اور دوسرے فواحش کی لذتوں کو چاہے چھوڑ نہ سکتے ہوں، مگر چھوٹی سی مغرب زدہ اقلیت کے سوا عام مسلمانوں میں کسی طرح بھی یہ ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں کہ یہی اصل ثقافت ہے۔ اسی طرح مغربی قوانین کے تحت زندگی بسر کرتے ہوئے اُن کی پشتیں گزر چکی ہیں، مگر اُن کے دماغ میں آج تک یہ بات نہیں اُتر سکی ہے کہ یہی قوانین برحق ہیں اور اسلام کا قانون فرسودہ ہو چکا ہے۔ مغرب زدہ اقلیت ان مغربی قوانین پر چاہے کتنا ہی ایمان لا چکی ہو، عام مسلمان اکثریت ہمیشہ کی طرح آج بھی اسلام ہی کے قانون کو برحق مانتی ہے اور اُس کا نفاذ چاہتی ہے۔

علماء کے اثر و رسوخ میں کمی

دوسری بات یہ ہے کہ علمائے دین ہر جگہ عوام کے قریب ہیں، کیونکہ وہ اُنہی کی زبان میں بولتے ہیں اور اُسی عقیدہ و مسلک کی نمائندگی کرتے ہیں جس کے عوام معتقد ہیں۔ لیکن زمام اقتدار سے وہ گُلی طور پر بے دخل ہیں، اور ایک مدت دراز تک دنیوی معاملات سے بے تعلق رہنے کے باعث اُن میں یہ صلاحیت بھی باقی نہیں رہی کہ مسلمانوں کی سیاسی رہنمائی کریں اور زمام اقتدار اپنے ہاتھ میں لے کر کسی ملک کا نظام چلا سکیں۔ اسی وجہ سے کسی مسلمان ملک میں بھی وہ آزادی کی تحریک کے قائد

نہ بن سکے اور کہیں بھی آزادی کے بعد اقتدار میں وہ شریک نہ ہو سکے۔ ہماری اجتماعی زندگی میں ایک مدت سے اُن کا کام بس وہ ہے جو ایک موٹر میں بریک کا ہوتا ہے۔ ڈرائیور مغربیت زدہ طبقہ ہے اور یہ بریک گاڑی کی رفتار کو تیز ہونے سے کچھ نہ کچھ روک رہا ہے۔ مگر بعض ملکوں میں بریک ٹوٹ چکا ہے اور گاڑی پوری سرعت کے ساتھ نشیب میں جا رہی ہے، اگرچہ اُس کے چلانے والے اس غلط فہمی میں ہیں کہ وہ فراز پر چڑھ رہے ہیں۔

مذہبی اپیل اور اُس سے انحراف

تیسری بات یہ ہے کہ دنیا میں جہاں بھی کسی ملک میں آزادی کی تحریک اُٹھی، اُس کے قائدین اگرچہ وہی مغربیت زدہ لوگ تھے، لیکن کسی جگہ بھی وہ عام مسلمانوں کو مذہبی اپیل نہ حرکت میں لاسکے نہ قربانیاں دینے پر آمادہ کر سکے۔ بلا استثناء ہر جگہ انہیں اسلام کے نام پر لوگوں کو پکارنا پڑا۔ ہر جگہ اُن کو خدا اور رسول اور قرآن ہی کے نام پر اپیل کرنی پڑی۔ ہر جگہ انہیں آزادی کی تحریک کو اسلام اور کفر کی جنگ قرار دینا پڑا۔ اس کے بغیر وہ کہیں بھی اپنی قوم کو اپنے پیچھے نہ لگا سکتے تھے۔ اب یہ تاریخ عالم کی عظیم ترین غداریوں میں سے ایک بے نظیر غداری ہے کہ ہر جگہ آزادی حاصل کرنے کے بعد فوراً ہی یہ لوگ اپنے تمام وعدوں سے پھر گئے اور اُن کا پہلا شکار وہی اسلام ہوا جس کے نام پر انہوں نے آزادی کا معرکہ جیتا تھا۔

حقیقی آزادی سے محرومی

چوتھی اور آخری بات قابل ذکر یہ ہے کہ ان لوگوں کی قیادت میں مسلمان ملکوں کو جو آزادی حاصل ہوئی ہے وہ صرف سیاسی آزادی ہے۔ پچھلی غلامی اور اس آزادی میں فرق صرف یہ ہے کہ پہلے جو زمام کار باہر والوں کے ہاتھ میں تھی، اب وہ گھر والوں کے ہاتھ میں ہے۔ لیکن اس لحاظ سے کوئی

فرق نہیں پڑا ہے کہ جس ذہن کے آدمی جن نظریات اور اصولوں کے ساتھ پہلے حکومت کر رہے تھے اُسی ذہن کے آدمی اُنہی نظریات کے ساتھ آج بھی حکومت کر رہے ہیں۔ وہی نظامِ تعلیم جو مستعمرین (Colonialists) نے قائم کیا تھا، اب بھی چل رہا ہے۔ اُنہی کے رائج کردہ قوانین نافذ ہیں اور آگے مزید قانون سازی اُنہی کے خطوط پر ہو رہی ہے، بلکہ **مغربی مستعمرین** (Colonialists) نے مسلمانوں کے قانونِ احوالِ شخصی (Personal law) پر جو دست درازیاں کرنے کی کبھی ہمت نہ کی تھی، وہ آج آزاد مسلم مملکتوں میں کی جا رہی ہیں۔ تہذیب و ثقافت اور اخلاق و تمدن کے جو نظریات مستعمرین (Colonialists) دے گئے ہیں، اُن میں سے کسی چیز کو بدلنا تو درکنار، آج یہ لوگ اپنی قوموں کو اُن سے بھی زیادہ اُس تہذیب میں غرق اور اُن اخلاقی نظریات کے مطابق مسخ کر رہے ہیں۔ وہ قومیت کے مغربی نظریات کے سوا اجتماعی زندگی کا کوئی نقشہ نہیں سوچ سکتے۔ اسی نقشے پر وہ مسلم مملکتوں کے نظام چلا رہے ہیں اور اس کی وجہ سے اُنہوں نے مسلمان قوموں کو ایک دوسرے سے پھاڑ کر رکھ دیا ہے۔ اُن کے ذہنوں میں الحاد بس گیا ہے اور جہاں جہاں بھی اُنہیں اثر ڈالنے کا موقع ملتا ہے وہاں وہ مسلمانوں کی نئی نسلوں کو اس حد تک خراب کرتے چلے جا رہے ہیں کہ وہ خدا اور رسول اور آخرت کا مذاق اڑاتی ہیں۔ وہ ابا حیت میں خود تو مستغرق ہیں اور اُن کی قیادت ہر جگہ مسلمانوں کے اندر فسق و فجور اور بے حیائی پھیلاتی جا رہی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ مغربی استعمار (Colonialism) کے چاہے کتنے ہی دشمن ہوں، مغربی مستعمرین (Colonialists) اُن کو دنیا کی ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں۔ اُن کی ہر ادھر پر مٹتے ہیں۔ اُن کی ہر بات کو معیارِ حق سمجھتے ہیں۔ اُن کے ہر کام کی یہ نقل اتارتے ہیں۔ اُن میں اور ان میں فرق صرف یہ ہے کہ وہ مجتہد ہیں اور یہ محض اندھے مقلد۔ یہ اُن کی پٹی ہوئی راہوں سے ہٹ

کرا ایک انچ بھی کوئی نیا راستہ نہیں نکال سکتے۔

یہ چار حقائق جو میں نے آپ کے سامنے بیان کیے ہیں، ان کو نگاہ میں رکھ کر آپ دنیا کی آزاد مسلمان قوموں کی موجودہ حالت کا جائزہ لیں تو اس وقت کی پوری صورتحال آپ پر واضح ہو جائے گی۔ دنیا کی تمام آزاد مسلم حکومتیں اس وقت بالکل کھوکھلی ہو رہی ہیں۔ کیونکہ ہر جگہ وہ اپنی قوموں کے ضمیر سے لڑ رہی ہیں۔ ان کی قومیں اسلام کی طرف پلٹنا چاہتی ہیں اور یہ ان کو زبردستی مغربیت کی راہ پر گھسیٹ رہے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ کہیں بھی مسلمان قوموں کے دل اپنی حکومتوں کے ساتھ نہیں ہیں۔ حکومتیں اس وقت مضبوط ہوتی ہیں جب حکمرانوں کے ہاتھ اور قوموں کے دل پوری طرح متفق ہو کر تعمیر حیات کے لیے سعی کریں۔ اس کے بجائے جہاں دل اور ہاتھ ایک دوسرے سے نزاع و کش مکش میں مشغول ہوں وہاں ساری قوتیں آپس کی لڑائی ہی میں کھپ جاتی ہیں اور تعمیر و ترقی کی راہ میں کوئی پیش قدمی نہیں ہوتی۔

حقیقی آزادی سے محرومی

اسی صورتحال کا ایک فطری نتیجہ یہ بھی ہے کہ مسلمان ملکوں میں پے در پے آمریتیں قائم ہو رہی ہیں۔ مغربیت زدہ طبقے کی وہ چھوٹی سی اقلیت جس کو مستعمرین (Colonialists) کی خلافت عطا ہوئی ہے، اس بات کو اچھی طرح جانتی ہے کہ اگر نظام حکومت عوام کے ووٹوں پر مبنی ہو تو اقتدار ان کے ہاتھ میں نہیں رہ سکتا، بلکہ جلدی یادیر سے وہ لازماً ان لوگوں کی طرف منتقل ہو جائے گا جو عوام کے جذبات اور اعتقادات کے مطابق حکومت کا نظام چلانے والے ہوں۔ اس لیے وہ کسی جگہ بھی جمہوریت کو چلنے نہیں دے رہے ہیں اور آمرانہ نظام قائم کرتے چلے جا رہے ہیں۔ اگرچہ فریب دینے کے لیے انہوں نے آمریت کا نام جمہوریت رکھ دیا ہے۔

ابتداً کچھ مدت تک قیادت اُس گروہ کے سیاسی لیڈروں کے ہاتھ میں رہی اور رسول حکام مسلمان ملکوں کے نظم و نسق چلاتے رہے۔ لیکن یہ بھی اسی صورتحال کا ایک فطری نتیجہ تھا کہ مسلمان ملکوں کی فوجوں میں بہت جلدی یہ احساس پیدا ہو گیا کہ آمریت کا اصل انحصار اُنہی کی طاقت پر ہے۔ یہ احساس بہت جلدی فوجی افسروں کو سیاسی میدان میں لے آیا اور اُنہوں نے خفیہ سازشوں کے ذریعے سے حکومتوں کے تختے اُلٹنے اور خود اپنی آمریتیں قائم کرنے کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اب مسلمان ملکوں کے لیے اُن کی فوجیں ایک مصیبت بن چکی ہیں۔ اُن کا کام باہر کے دشمنوں سے لڑنا اور ملک کی حفاظت کرنا نہیں رہا بلکہ اب اُن کا کام یہ ہے کہ اپنے ہی ملکوں کو فتح کریں اور جو ہتھیار اُن کی قوموں نے اُن کو مدافعت کے لیے دئے تھے اُنہی سے کام لے کر وہ اپنی قوموں کو غلام بنا لیں۔ اب مسلمان ملکوں کی قسمتوں کے فیصلے انتخابات یا پارلیمنٹوں میں نہیں بلکہ فوجی بیرکوں میں ہو رہے ہیں۔ اور یہ فوجیں بھی کسی ایک قیادت پر متفق نہیں ہیں بلکہ ہر فوجی افسر اس تاک میں لگا ہوا ہے کہ کب اُسے سازش کرنے کا موقع ملے اور وہ دوسرے کو مار کر خود اُس کی جگہ لے لے۔ ان میں سے ہر ایک جب آتا ہے تو زعمیم انقلاب بن کر آتا ہے اور جب رخصت ہوتا ہے تو خائن و غدار قرار پاتا ہے۔ مشرق سے مغرب تک بیش تر مسلمان قومیں اب محض تماشائی ہیں۔ اُن کے معاملات چلانے میں اب اُن کی رائے اور مرضی کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ اُن کے علم کے بغیر اندھیرے میں انقلاب کی کھڑی پکتی ہے، اور کسی روز یکا یک اُن کے سروں پر اُلٹ پڑتی ہے۔ البتہ ایک چیز میں یہ سب متحارب انقلابی لیڈر متفق ہیں، اور وہ یہ کہ ان میں سے جو بھی اُبھر کر اوپر آتا ہے وہ اپنے پیش رو ہی طرح مغرب کا ذہنی غلام اور الحاد و فسق کا علم بردار ہوتا ہے۔

امید کی کرن

ان تاریک حالات میں ایک روشنی موجود ہے جس کے اندر دو حقیقتیں مجھے صاف نظر آرہی ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے الحاد و فسق کے ان علم برداروں کو ایک دوسرے سے لڑا دیا ہے اور یہ خود ہی ایک دوسرے کی جڑ کاٹ رہے ہیں۔ خدا نخواستہ اگر یہ متحد ہوتے تو ناقابل علاج مصیبت بن جاتے۔ مگر ان کا رہنما شیطان ہے اور شیطان کا کید (چال) ہمیشہ ضعیف ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ دوسری اہم حقیقت جو میں دیکھ رہا ہوں وہ یہ ہے کہ مسلمان قوموں کے دل بالکل محفوظ ہیں، وہ ہرگز ان نام نہاد انقلابی لیڈروں سے راضی نہیں ہیں اور اس امر کے پورے امکانات موجود ہیں کہ اگر کوئی صالح گروہ فکر کے اعتبار سے مسلمان، اور ذہنی قابلیتوں کے اعتبار سے قیادت کا اہل ہو تو خرکارو ہی غالب آئے گا اور مسلمان قومیں اس الحاد و فسق و فجور سے نجات پا جائیں گی۔

کام کا اصل موقع اور طریق کار

اس وقت کام کا اصل موقع ان لوگوں کے لیے ہے جنہوں نے ایک طرف مغربی طرز کی تعلیم پائی ہے اور دوسری طرف جن کے دلوں میں خدا اور رسول ﷺ اور قرآن اور آخرت پر ایمان محفوظ ہے۔ قدیم طرز کی دینی تعلیم پائے ہوئے لوگ، اخلاقی اور روحانی اعتبار سے اور علم دین کے لحاظ سے ان کے بہترین مددگار بن سکتے ہیں، مگر بد قسمتی سے وہ ان صلاحیتوں کے حامل نہیں ہیں جو قیادت اور زمام کار سنبھالنے کے لیے درکار ہیں۔ یہ صلاحیتیں صرف مقدم الذکر گروہ ہی میں پائی جاتی ہیں اور ضرورت ہے کہ اس وقت یہی گروہ آگے بڑھ کر کام کرے۔ ان لوگوں کو جو مشورے میں دے سکتا ہوں وہ مختصراً یہ ہیں

(1) اسلام کا صحیح فہم

اُن کو اسلام کا صحیح علم حاصل کرنا چاہیے تاکہ اُن کے دل جس طرح مسلمان ہیں اسی طرح اُن کے دماغ بھی مسلمان ہو جائیں، اور یہ اجتماعی معاملات کو اسلامی احکام اور اصولوں کے مطابق چلانے کے قابل بن جائیں۔

(2) ذاتی اخلاقی اصلاح

اُن کو اپنی اخلاق کی اصلاح کرنی چاہیے تاکہ ان کی اخلاقی زندگیاں عملاً بھی اُسی اسلام کے مطابق ہو جائیں جس کو وہ اعتقاداً برحق مانتے ہیں۔ یاد رکھیے کہ قول اور عمل کا تضاد آدمی کے اندر نفاق پیدا کرتا ہے اور باہر کی دنیا میں اُس کا اعتبار ختم کر دیتا ہے۔ آپ کی کامیابی کا سارا انحصار اخلاص اور راست بازی پر ہے۔ اور کوئی ایسا شخص نہ مخلص ہو سکتا ہے، نہ مخلص مانا جا سکتا ہے، جو کہے کچھ اور کرے کچھ۔ آپ کی اپنی زندگیوں میں اگر تناقض ہوگا تو نہ دوسرے آپ پر اعتماد کریں گے اور نہ خود آپ کے دل میں اپنے اوپر وثوق پیدا ہو سکے گا۔ اس لیے دعوت اسلامی کے لیے کام کرنے والے تمام لوگوں کو میری مخلصانہ نصیحت یہ ہے کہ جن جن امور کے متعلق اُنہیں یہ علم حاصل ہوتا جائے کہ اسلام نے اُن کا حکم دیا ہے اُن پر عامل ہونے اور جن کے متعلق اُنہیں معلوم ہوتا جائے کہ اسلام نے اُنہیں منع کیا ہے، ان سے اجتناب کرنے کی پوری کوشش کریں۔

(3) مغربی تہذیب و فلسفہ پر تنقید

اُن کو اپنی تمام ذہنی صلاحیتیں اور تحریر و تقریر کی قوتیں اس کام پر صرف کر دینی چاہئیں کہ مغربی تہذیب و ثقافت اور فلسفہ حیات پر تنقید کر کے اُس بت کو پاش پاش کر دیں جن کی آج دنیا میں پرستش کی

جاری ہے اور اُس کے مقابلے میں اسلام کے عقائد اور اصول و مبادی اور قوانین حیات کی تشریح و تدوین ایسے معقول طریقوں سے کریں جو نسل جدید کے ذہن کو اُن کی صحت کا یقین دلا سکے اور اُن کے اندر یہ اعتماد پیدا کر سکے کہ دور حاضر میں ایک قوم اُن عقائد اور اصول و قوانین کو اختیار کر کے نہ صرف ترقی کر سکتی ہے بلکہ دوسروں سے آگے بڑھ سکتی ہے۔ یہ کام جتنے صحیح خطوط پر جتنے بڑے پیمانے پر ہوگا، اتنے ہی دعوتِ اسلامی کے لیے آپ کو سپاہی ملتے چلے جائیں گے، اور یہ سپاہی ہر شعبہ حیات سے نکل نکل کر آئیں گے۔ اس عمل کا سلسلہ ایک طویل مدت تک جاری رہنا چاہیے، تاکہ ایک کثیر تعداد اُن لوگوں کی پیدا ہو جائے جو ایک ملک کے نظام کو اسلامی اصولوں پر چلانے کے لیے درکار ہیں۔ یہ عمل جب تک بتدریج اپنی انتہا کو نہ پہنچ جائے آپ کسی اسلامی انقلاب کے برپا ہونے کی توقع نہیں کر سکتے، اور اگر کسی مصنوعی طریقے سے وہ برپا ہو بھی جائے تو وہ مستحکم نہیں ہو سکتا۔

(4) تنظیم

دعوتِ اسلامی سے جتنے لوگ متاثر ہوتے جائیں اُن کو منظم ہونا چاہیے اور اُن کی تنظیم کو ڈھیلا ڈھالا اور سست نہ ہونا چاہیے۔ نظم و ضبط اور سمع و اطاعت کے بغیر محض ہم خیال لوگوں کا ایک بکھرا ہوا گروہ فراہم کر دینے سے کوئی کارگر طاقت پیدا نہیں ہو سکتی۔

(5) عمومی دعوت

اس مقصد کے لیے کام کرنے والوں کو عوام میں اپنی دعوت پھیلانی چاہیے تاکہ عام لوگوں کی جہالت دور ہو اور وہ اسلام سے واقف ہوں اور اسلام اور جاہلیت کا فرق جان لیں۔ اس کے ساتھ انہیں عوام کی اخلاقی اصلاح کی بھی کوشش کرنی چاہیے اور فسق و فجور کے اس سیلاب کو روکنے کے لیے اپنا

پورا زور لگا دینا چاہیے جو فاسق قیادت کے اثر سے مسلمان قوموں میں روز بروز بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک قوم فاسق ہو جانے کے بعد ایک اسلامی حکومت کی رعایا بننے کے قابل نہیں رہتی۔ عامۃ الناس میں فسق جتنا بڑھے گا اُن کے معاشرے میں اسلامی نظام کا چلنا اُتنا ہی مشکل ہوتا چلا جائے گا۔ جھوٹے، بددیانت اور بدکار لوگ نظام کفر کے لیے جتنے موزوں ہیں، نظام اسلامی کے لیے اتنے ہی غیر موزوں ہیں۔

(6) صبر و حکمت

اُنہیں بے صبر ہو کر خام بنیادوں پر جلدی سے کوئی اسلامی انقلاب برپا کر دینے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔ جو مقصود ہمارے پیش نظر ہے اُس کے لیے بڑا صبر درکار ہے۔ حکمت کے ساتھ جانچ تول کر ایک ایک قدم اُٹھائیے اور دوسرا قدم اُٹھانے سے پہلے خوب اطمینان کر لیجیے کہ پہلے قدم میں جو نتائج آپ نے حاصل کیے ہیں وہ مستحکم ہو چکے ہیں۔ جلد بازی میں جو پیش قدمی بھی ہوگی اس میں فائدے کی بہ نسبت نقصان کا خطرہ زیادہ ہوگا۔ مثال کے طور پر فاسق قیادت کے ساتھ شریک ہو کر یہ امید کی جاتی ہے کہ شاید اس طرح منزل مقصود تک پہنچنے کا راستہ آسان ہو جائے گا اور کچھ نہ کچھ اپنے مقصد کے لیے مفید کام بھی ہو سکے گا۔ لیکن عملی تجربہ یہ بتاتا ہے کہ اس لالچ سے کوئی مفید نتیجہ برآمد نہیں ہو سکتا، کیونکہ دراصل زمام امر جن لوگوں کے ہاتھ میں ہوتی ہے وہ اپنی ہی پالیسی چلاتے ہیں اور اُن کے ساتھ لگنے والوں کو ہر قدم پر اُن سے مصالحتیں کرنی پڑتی ہیں، یہاں تک کہ وہ آخر کار بس اُن کے آلہ کار بن کر رہ جاتے ہیں۔

(7) مسلح اور خفیہ تحریکوں سے اجتناب

اس سلسلے میں اسلامی تحریک کے کارکنوں کو میری آخری نصیحت یہ ہے کہ انہیں تحریکیں چلانے اور

اسلحے کے ذریعے انقلاب برپا کرنے کی کوشش نہ کرنی چاہیے۔ یہ بھی دراصل بے صبری اور جلد بازی ہی کی ایک صورت ہے اور نتائج کے اعتبار سے دوسری صورتوں کی بہ نسبت زیادہ خراب ہے۔ ایک صحیح انقلاب ہمیشہ عوامی تحریک ہی کے ذریعے سے برپا ہوتا ہے۔ کھلے بندوں عام دعوت پھیلائیے، بڑے پیمانے پر اذہان و افکار کی اصلاح کیجیے۔ لوگوں کے خیالات بدلے۔ اخلاق کے ہتھیاروں سے دلوں کو مسخر کیجیے اور اس کوشش میں جو بھی خطرات اور مصائب پیش آئیں ان کا مردانہ وار مقابلہ کیجیے۔ اس طرح بتدریج جو انقلاب برپا ہوگا وہ ایسا پایدار اور مستحکم ہوگا جسے مخالف طاقتوں کے ہوائی طوفان محو نہ کر سکیں گے۔ جلد بازی سے کام لے کر مصنوعی طریقوں سے اگر کوئی انقلاب رونما ہو بھی جائے تو جس راستے سے وہ آئے گا اسی راستے سے وہ مٹایا بھی جاسکے گا۔ یہ چند کلمات نصیحت ہیں جو دعوت اسلامی کے لیے کام کرنے والوں کے سامنے میں پیش کر رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کی رہنمائی فرمائے اور ہمیں دین حق کی سر بلندی کے لیے صحیح طریقے سے جدوجہد کرنے کی توفیق بخشے۔

(تفہیمات..... حصہ سوم..... ص 350-363)